فقہ المعاملات

منگنی کی رسم......ایک دینی جائزہ

﴿مولانا سلطان احمد (بھارت)﴾

شادی بیاہ کی رسموں میں سے ایک منگی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ اس کی رسموں کا آغاز ہی اسی سے ہوتا ہے، یہ نام اس رسم کا ہے جو پاکستان اور اتر پردیش کے مشرقی حصے میں ہے۔ اس کے مغربی حصے میں اسے سگائی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشرقی اتر پردیش میں اس کا یہ نام اور اس کی موجودہ ترقی یافتہ صورت ابھی کچھ ہی سالوں کی پیداوار ہے۔ اس سے پہلے اس کی سادہ صورت میں اسے ''چھنکائی'' کہا جاتا تھا۔ جس میں لڑکی کا باپ یا اس کا کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار اکثر و بیشتر تنہا یا زیادہ سے زیادہ ایک دو آدمیوں کو کچھ روپیہ اور بعض اوقات اس کے ساتھ کوئی قلم یا گھڑی دے کر آجاتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ اب رشتہ پکا ہو گیا ہے اور لڑکی والا داماد کی تلاش کی فکر سے آزاد ہے۔ چھنکائی کی اس سادہ سی صورت سے منگنی کی موجودہ ترقی یافتہ صورت کافی مختلف ہے۔ اس کے مطابق بجائے اس کے کہ لڑکی والا لڑکے والے کے یہاں آئے۔ لڑکے والے آٹھ دس یا بعض اوقات اس سے زیادہ تعداد میں لڑکی والے کے یہاں جاتے ہیں، جس میں ان کی ضیافت کا اہتمام معمول کی مہمان داری سے بہت آگے بڑھ کر تقریباً شادی کی تقریب کے مانند ہوتا ہے۔ آٹھ، دس لڑکے والوں کے ساتھ اتنی ہی تعداد میں لڑکی والے کے خاص اعزہ اس کے ساتھ محلہ پڑوس مل کر قریب قریب شادی اور بارات کا سماں بندھ جاتا اور اس جیسی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر لڑکے والے کے ذمہ حسب حیثیت و ضرورت مٹھائی پہنچانا ہوتا ہے، جو تقریب ختم ہونے پر

اہل محلّہ یا گاؤں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اور لڑکے والے کی طرف سے کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد لڑکے کی چھنکائی میں روپیہ، گھڑی اور قلم لڑکے کے باپ یا اس کے قائم مقام کو پیش کیا جاتا ہے۔ اپنی سادہ صورت میں چھنکائی کی یہ رسم بالعموم سو پچاس روپے میں پوری ہو جاتی تھی، جب کہ موجودہ ترقی یافتہ صورت میں ملنے والی نقد رقم ہزار پانسو روپے سے کم نہیں ہوتی۔ اس موقع پر ملنے والی گھڑی بھی عام طور پر قیمتی اور قلم بھی معمولی نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ سونے کی انگوٹھی کو بھی ملا دیں، جس کا اب رواج عام ہو چلا ہے تو اس کا تخمینہ اس سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اپنی موجودہ صورت میں. یہ رسم طرفین کے صرفے کو ملا کر پانچ ہزار سے لے کر پندرہ بیس ہزار کے درمیان تک پہنچ جاتی ہے۔ خاص حالات میں اس سے بھی کافی آگے بڑھ سکتی ہے۔ آج کی گفتگو میں اسی رسم کا دین کے نقطہ نظر سے جائزہ لینا پیش نظر ہے۔

ایک اصولی نکتہ:

شریعت میں احکام کی ایک بنیاد اس کا عرف وعادت کا اصول ہے۔ عرف وعادات کا جب تک شریعت سے ٹکراؤ نہ ہو اور کوئی خرابی پیدا کئے بغیر وہ مصالح کے حصول کا ذریعہ ہو تو جب تک کسی عرف کی یہ حیثیت برقرار رہے شریعت کو اس کو قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں ہوتا ہے اور وہ اسے اپنا ہی ایک حصہ تسلیم کرتی ہے۔ زیر نظر مضمون منگنی کی رسم کے سلسلے میں بھی شریعت کے نقطہ نظر کا تعین اسی بنیاد پر ہوگا۔ اگر اس سے مصالح کا حصول ہوتا ہو اور کوئی خرابی اور کسی حکم شریعت کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو تو کسی جھجک اور تردد کے بغیر اسے پورا کا پورا مان لینے میں اسے کوئی تامل نہ ہوگا۔ اس کے بجائے اگر اس سے خرابیاں لازم آتی ہوں اور ایک پر ایک حکم شریعت کی خلاف ورزی کی صورت پیدا ہوتی ہو تو اپنی کسی صورت میں وہ اس کے لئے قابل قبول نہ ہوگا۔ تیسری صورت بین بین کی ہے۔ اس کے کچھ فوائد ہوں اور کچھ نقصانات ہوں، کچھ صورتوں میں اس کا شریعت سے ٹکراؤ ہو اور بہت سی صورتوں میں اس کا اس سے کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا ہو تو جن صورتوں میں یہ ٹکراؤ اور نقصان نہ ہو

منگنی کی رسم کی وہ صورتیں شریعت کے لئے قابل قبول ہیں۔ البتہ جن صورتوں میں یہ ٹکراؤ اور نقصان یقینی ہو تو اللہ کے آخری دین کے لئے رسم منگنی کی یہ صورتیں کسی صورت میں قابل قبول نہ ہونگی۔ شریعت میں اعتبار صرف عرف صالح کا ہے، جس کا اس سے کوئی ٹکراؤ نہ ہو اور جس کے سلسلے میں خواہ مخواہ کی سختی سے لوگ زحمت اور پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں اس سے ہٹ کر جو عرف شریعت سے ٹکرائے وہ فاسد عرف ہے اور شریعت میں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہے چاہے لوگ اس کے کیسے ہی عادی کیوں نہ ہوں اور وہ ان کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہو۔

رسم منگنی کے مثبت پہلو

اس اصول کی روشنی میں رسم منگنی کے مثبت پہلوؤں پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ رسم منگنی کے کچھ نقصانات اور اس کے کچھ تاریک پہلو بھی ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔ نرم اور آسان دین کے لئے یہ بالکل بوجھ اور ان میں دین کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس رسم کے کچھ روشن پہلو اور کچھ فائدے بھی نظر آتے ہیں اور ان کو بالکل نظر انداز کر دینا کوئی مناسب بات نہیں ہے۔

اس کا سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ تقریباً نوے فی صد سے زائد معاملات میں اسی رسم منگنی کے نتیجے میں لڑکے اور لڑکی والے دونوں کو رشتے کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ یوں تو کسی عہد و پیمان کی توثیق کے لئے اصولی طور پر کسی رسم اور کسی خاص تقریب کی ضرورت نہیں ہے لیکن کم از کم یہ برصغیر ہند کے عرف میں شادی کے رشتے کی حد تک اس طرح کی کسی رسم اور تقریب کے بغیر اس کے عہد و پیمان کی توثیق اور اس پر اطمینان کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ جب تک اس طرح کی رسم نہ ہو جائے لڑکی اور لڑکے والے دونوں اپنے کو ایک طرح سے آزاد محسوس کرتے ہیں۔ رشتے کی بات پکی اسی صورت میں ہوتی ہے جب کہ ایسی کوئی تقریب ہو جائے اور کوئی رسم انجام پا جائے۔ اگرچہ مختلف اسباب سے مسلمان معاشرے میں نامطلوب جدت پسندی کا اسیر ایک ایسا طبقہ بھی وجود میں آگیا جو

شریعت کے معاملے میں حد درجہ سہل انگاری کا شکار ہے جو بس نام کے مسلمان ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی اس کی نگاہوں میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ زندگی کے دوسرے مختلف دائروں کی طرح شادی بیاہ کے معاملے میں بھی وہ اپنے کو بالکل آزاد سمجھتا ہے اور اس کے سلسلے میں شریعت کی مقرر کردہ مصالح کا اس کے یہاں کوئی پاس و لحاظ نہیں ہے۔ خاندان کے ذریعے طے کردہ رشتوں کے بجائے زیادہ تر اس طبقے میں محبت کے رشتوں کا رواج ہے اور محبت کا رشتہ بھی وہ نہیں ہے جس میں لڑکے اور لڑکی کی ایک دوسرے پر ایک دو بار کی نگاہ پڑ جانے سے دونوں کا آپس میں لگاؤ ہو جاتا ہے جو آگے مستقل رشتے اور شادی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ جوڑے کے انتخاب میں اس حد تک شریعت میں جانے کی گنجائش ہے اور اس پر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مسلمانوں کا یہ طبقہ محبت کے جس رشتے کا قائل اور اس پر عمل پیرا ہے وہ اس سے بہت آگے کی چیز ہے، جس میں اکثر و بیشتر شادی کے تمام مراحل شادی سے پہلے ہی طے ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس مقصد سے لڑکی یا لڑکے کے ایک سے زیادہ تجربوں کو بھی کسی بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہے اور اس کھلی بے حیائی اور بدکاری سے اس طبقہ نے سازگاری پیدا کرلی ہے۔ سر دست یہ طبقہ ہماری گفتگو سے خارج ہے۔ اس سے ہٹ کر بحمد للہ مسلمانوں کی جو عظیم اکثریت ہے، اس کے یہاں رشتے کے انتخاب میں اولیاء کا دخل ہے، اسی کے حوالے سے ان کے اوپر لڑکے لڑکی کے انتخاب کا بوجھ رہتا ہے، امت کی عظیم اکثریت کے لئے اصولی طور پر منگنی کی یہ رسم رشتے کے سلسلے میں بڑی حد تک اسے یکسوئی اور سکون سے ہم کنار کرتی ہے۔

۲۔ اسی سے جڑا اس رسم کا دوسرا فائدہ یا اس کا روشن پہلو ہے، جو کم اہمیت کا حامل نہیں ہے، اس کے ذریعے سے دونوں فریقوں کو اپنے اپنے لڑکے لڑکی کی طرف سے پیش نظر رشتے کے قابل قبول اور اسے صاد OK حاصل ہو جانے کا اطمینان ہو جاتا ہے۔ شریعت کے سلسلے میں لاپروا اور سہل انگاری کے شکار مسلمانوں کے جدت پسند طبقے کا تو جیسا کہ پہلے گزرا، معاملہ ہی دوسرا ہے OK کی اس دنیا میں سب کچھ OK ہی ہے لیکن دین پسند اور شریعت کے پابند مسلمان معاشرے کے لئے اس رسم کے ذریعے حاصل ہونے والے اس

فائدے کی بڑی قدر و قیمت ہے، جس کے ذریعے شادی اور نکاح کے معاملے میں بالواسطہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ان کی ہدایات پر عمل کی صورت میں ہوتی ہے، جوڑے کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام کا حکم معلوم ہے کہ اگر لڑکی کی دوسری شادی ہو، اس کا شوہر مر گیا ہو یا اسے طلاق ہو چکی ہو اور وہ اپنا دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کا تمام اختیار اسی کو ہوتا ہے ولی کو اس سے اس کی مرضی معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح رسم منگنی کا اس نسبت سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے اور دراصل یہ رسم اس کے لئے ہوتی بھی نہیں ہے۔ یہ رسم خالص کنوارے اور کنواری کی شادی کے لئے ہوتی ہے، دواہ رشتوں کے لئے اس کا بالکل چلن نہیں ہے۔ کنواری لڑکی کے لئے البتہ اس کا فائدہ صاف ظاہر ہے اس لئے کہ شریعت میں ایسی لڑکی کے لئے جوڑے کے انتخاب پر ولی کا خاص دخل ہے، تاہم اس کی مرضی کا معلوم کیا جانا ضروری ہے۔ کنوارے لڑکے کے رشتے کے معاملے میں شریعت میں ولی یا اولیاء کا وہ دخل نہیں ہے جو کہ کنواری لڑکی کے معاملے میں ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج۔

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کو شادی کی طاقت اور صلاحیت ہو تو وہ شادی کر لے۔

والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نوجوانوں، دوسرے لفظوں میں کنواروں کو اپنی شادیاں خود کرنے کا حکم یا اجازت ہے۔ تاہم قرآن و سنت کے دیگر نصوص کے اشارات سے اس معاملے میں ولی بالکل بے اختیار بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے کی دستوری آیت کریمہ:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ۔ (۱)

(اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو کام

۱۔ سورہ نور: آیت ۳۲،

کے ہوں ان کا نکاح کردو)۔اس آیت مبارکہ میں جب لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کی شادی کے لئے ان کے ماں باپ یا دوسرے ذمہ دار اولیاء کو فکر مند ہونے کی تاکید ہے تو فطری طور پر اس ذمے داری کے ساتھ مناسب رشتے کے انتخاب میں بھی ان کا دخل ثابت ہوتا ہے۔

دوسری حدیث:

لا نکاح الا بولی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔

میں گو اس کو زیادہ تر لڑکیوں کے ساتھ خاص رکھا گیا ہے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مطلق ہیں اور آیت بالا کے ساتھ ملانے سے لڑکی کے ساتھ لڑکے کے معاملے میں بھی اس کا موثر ہونا ظاہر ہوتا ہے۔رسم منگنی کے ذریعے رشتے کے سلسلے میں لڑکے اور لڑکی کی مرضی بڑی مناسب صورت میں معلوم ہو جاتی ہے۔عام طور پر اس رسم اور نکاح کے درمیان سال چھ مہینے یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہوتا ہے۔اس بیچ کے وقفے میں اس مرضی کو مزید پختہ تر صورت میں جانچنے کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ شادی کی یہ بڑی مصلحت ہے، جس سے آیندہ خوش گوار ازدواجی زندگی کی امید بندھتی ہے۔ اس مصلحت کے حوالے سے اس رسم کی گنجائش اور اس کے شریعت میں معتبر عرف صالح کے دائرے میں شامل ہونے کا رجحان ابھرتا ہے۔

۳۔ اس کے ساتھ ہی اس رسم کا تیسرا فائدہ بھی کہا جاسکتا ہے۔اسلام میں شادی کا ایک حکم ہے کہ وہ خفیہ نہ ہو بلکہ علی الاعلان ہو اور اس کو زیادہ سے زیادہ مشتہر کیا جائے۔اس مقصد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کا حکم دینے کے بعد اس کے ایک ذریعے کے طور پر دف بجانے کا بھی حکم صادر فرمایا:

اعلنوا بالنکاح و اجعلوہ فی المساجد و اخرجوا علیہ بالدف۔

نکاح اعلان کے ساتھ کرو اور اس کا انعقاد مسجدوں میں کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔

حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

اعلنوا ھذا النکاح و اضربوا علیه بالغربال۔

نکاح اعلان کے ساتھ کرو اور اس موقع پر بڑے دف بجاؤ۔ کے الفاظ ہیں۔ اس اظہار اور اعلان کا بجا طور پر یہ فائدہ ہے جیسا کہ کہا بھی گیا ہے کہ اس لڑکے یا لڑکی سے معاشرے کے دیگر مرد اور عورتوں کے ارادے ختم ہو جاتے اور نگاہیں موقوف ہو جاتی ہیں۔ جب اعلان اور اشتہار کے ساتھ ایک لڑکی ایک لڑکے کے ساتھ خاص ہو گئی تو ایک طرح سے شیطان کو مایوسی ہو جاتی ہے کہ کم از کم اب ان کی نسبت سے وہ اوروں کو بے راہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ بسا اوقات نہیں تو بعض اوقات گھر اور خاندان کے مصالح کا تقاضا ہوتا ہے کہ رشتے کی عمر اور ضرورت کے باوجود تعلیم، روزگار یا ایسی ہی کسی اور ضرورت سے نکاح کو سال دو سال کے لئے ملتوی رکھا جائے۔ غیر متعلق نگاہوں کو ایک جوڑے سے موقوف کرنے کا جو فائدہ اوپر کے اعلان اور اظہار کے نکاح سے حاصل ہوتا ہے، یہی فائدہ بڑی حد تک نہ سہی تو قابل لحاظ حد تک التواء کی صورت میں منگنی اور سگائی کی رسم سے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ہر طرح سے مطلوب ہے قلب و نظر کی جو پاکیزگی اور جنسی ذہنی یک سوئی اپنی کامل صورت میں شادی کے بعد ایک مسلمان لڑکے یا لڑکی کو حاصل ہوتی ہے، اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ منگنی اور سگائی کی رسم سے ہونے والے جوڑے کو یقیناً حاصل ہوتا ہے۔ سرے سے بلا رزرویشن مسافر کے مقابلے میں اگر ویٹنگ لسٹ کے مسافر کی پوزیشن بہتر ہوتی ہے تو بے سگائی اور بے منگنی کے لڑکے یا لڑکی کے مقابلے میں اس رسم سے گزرے ہوئے لڑکے یا لڑکی کے معاملے کو اس سے مختلف نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بھی رسم کا ایک روشن پہلو ہے اور اگر وہ حد میں رہے اور خلاف شریعت باتوں سے اس کی مصلحت پر نقصان غالب نہ آئے تو کوئی وجہ نہیں کہ شریعت کا اسے اعتبار حاصل نہ ہو، اور عرف صالح کی سند سے وہ اس کا ایک حصہ قرار نہ پائے۔

منگنی کے منفی پہلو:

شادی بیاہ کی اکثر رسموں کے ساتھ منگنی کی رسم کے ان مثبت پہلوؤں کے ساتھ اس کے ایسے ہی منفی پہلو بھی ہیں اور ان کا نقصان بالکل سامنے کی چیز ہے۔ان سے بچنا اور احتیاط برتنا ہر باشعور اور ذمے دار مسلمان کے لئے لازمی ہے۔

ا۔ منگنی یا سگائی کی اس رسم میں ضیافت کا یہ اہتمام عام طور پر لڑکی والے کے یہاں ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کی پیش کش لڑکے والے کی طرف سے ہوتی ہے، جسے قبول کرنے میں بھی کوئی بہت زیادہ تردد نہیں ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں اس رسم کے ساتھ وہ کمزوری لگی ہوئی ہے جو بارات اور جہیز وغیرہ کی دوسری رسموں کے ساتھ ہے، کہ اکثر و بیشتر ان کے معاملے پر اصحاب معاملہ کا قابو نہیں رہتا۔ بارات اگر پچاس آدمی کی کہی جائے تو لڑکی والا انتظام سو آدمیوں کا کرتا ہے کہ اگر اس تعداد پر بھی معاملہ رک جائے تو بسا غنیمت ہے۔ بالکل یہی معاملہ منگنی کی اس رسم کا ہے کہ ضیافت کا اہتمام لڑکی یا لڑکے والے جس کے یہاں بھی ہو عام طور پر مہمانوں کا معاملہ قابو سے باہر رہتا ہے۔ میزبان کے اپنے قریبی رشتے داروں کا ازدہام اس کے علاوہ ہوتا ہے اور کل ملا کر ایک طرح سے منی بارات کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں آئندہ ہونے والی بے احتیاطیوں اور فضولیات کا ریہرسل کہا جاسکتا ہے۔ اب خود اس ضیافت کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ لڑکی یا لڑکے والا جو بھی میزبان ہو مہمانوں کی تعداد ان کے ضیافت کی نوعیت کے سلسلے میں اس کے اوپر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو جیسا کہ عام طور پر بارات میں ہوتا ہے۔اس صورت میں ضیافت میزبان کے قابو اور اس کی حسب حیثیت ہو کر اگر وہ اعتدال سے بڑھی اور غیر ضروری طول پر کلام کے دائرے میں داخل ہوتی ہے تو اس کے اوپر زیادہ سے زیادہ فضول اور لغو کام اور بیجا اسراف کا ہی الزام عائد ہوگا۔ لیکن اس سے ہٹ کر اگر مہمانوں کی تعداد اور ضیافت کی نوعیت کے سلسلے میں کسی قدر جبر و اکراہ اور زور زبردستی کی کیفیت شامل ہو تو اس سے آگے بڑھ کر یہ ہونے والے رشتے دار کو پریشان

کرنے اور ایک مسلمان کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر کھانے کے قبیل میں آئے گا، جو حدیث کی صراحت سے حرام اور ناجائز ہے۔ اس موقع پر جیسا کہ گزرا ہے ضیافت کے بعد لڑکی والے کی طرف سے رشتہ پکا کرنے کے مقصد سے عام طور پر نقد روپیہ، گھڑی اور قلم جیسی چیزیں پیش کی جاتی ہیں، بعض اوقات اس میں انگوٹھی کا اضافہ ہوتا ہے، جو شاذ و نادر صورتوں کے علاوہ سونے کے علاوہ کی نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ شادی کی دوسری رسم مڑوا، کے موقع پر ہوتا ہے، یہ صریح حرام ہے۔ اسلام میں مرد کے لئے ریشم کی طرح سونا مطلق حرام ہے۔ سونے کی انگوٹھی بھی اس کے لئے بالکل حرام ہے۔ صرف چاندی کی انگوٹھی اس کے لئے جائز ہے اور اس کے لئے خاص مقدار کی حد ہے اس حد سے آگے نکل جانے پر چاندی کی انگوٹھی کا استعمال بھی مرد کے لئے ناجائز ہوتا ہے۔ اب یہ مسلمان معاشرے کی بے حسی ہے کہ اس کے یہاں مردوں اور نوجوانوں میں سونے کی انگوٹھی کے ساتھ سونے کی زنجیر کا بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ یہ صریح گناہ ہے (پھر اس پر طرہ یہ کہ لڑکا لڑکی کو خود انگوٹھی پہناتا ہے حالانکہ دونوں ابھی تک نامحرم ہیں یہ تو اور بھی گناہ بلکہ بدتر گناہ ہے۔ مدیر) اس برائی کا ازالہ ہاتھ سے ورنہ زبان سے کرنا ضروری ہے۔ ان دونوں کی سکت نہ ہو تو ایمان کا آخری درجہ ہے کہ آدمی اس کو دل سے برا جانے۔ اس رسم کو اس سے بھی آگے بڑھا کر لڑکے والے کی طرف سے لڑکی کو زیور اور کپڑا اور لڑکی والے کی طرف سے لڑکے کو گاڑی اور سواری کے مرحلے تک پہنچا دیا جائے اور بارات کے ریہرسل کے ساتھ اگر ساتھ ہی جہیز کا بھی ریہرسل شروع ہو جائے تو یہ اس کی مزید آفت ہے، جس کے سلسلے پر مسلمان معاشرے کو زیادہ چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ رسم منگنی کی ایک آفت اور اس کا ایک کمزور پہلو تو یہ ہے مگر اس کا دوسرا پہلو بھی کم پریشان کن اور باعث تشویش نہیں وہ ہے زندگی کو غیر ضروری طور پر بوجھل کرنا اور فضول کے اخراجات سے ان کو لادنا۔ دین ہی نہیں عام سمجھ کا بھی تقاضا ہے کہ زندگی زیادہ سے زیادہ ہلکی اور آسان رہے۔ اگر سفر کا آرام اسی میں ہے کہ آدمی کے ساتھ سامان کا بوجھ کم سے کم ہو تو زندگی کے سفر کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ سادہ

زندگی اور اونچی سوچ کے ایک اچھی بات ہونے سے کسی کو اختلاف نہیں۔ آخری شریعت اس کو اس سے اور بہت آگے لے جانا چاہتی ہے۔ اللہ کے آخری دین کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ آسان دین ہے اور انسانوں کے لئے جملہ معاملات زندگی میں آسانیاں فراہم کرنا اس کی اولین ترجیحات سے ہے۔ قرآن کے بموجب اللہ خود اپنے بندوں کے لئے مشکل کے بجائے آسانی پسند کرتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی خوبی یہ بیان کی گئی کہ وہ انسانیت کو رسم و رواج کی بیجا جکڑ بندیوں اور اس طرح انسانوں کی خود اپنے اوپر لادی ہوئی بیڑیوں اور زنجیروں سے انہیں نجات دلاتے ہیں، شادی بیاہ کے معاملے میں دین کی یہ آسان پسندی اور بھی نمایاں ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ

سب سے برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم سے کم ہو۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کو آسان کر کے دکھایا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی روایت کے اختلاف سے ۲ھ یا ۳ھ میں ہوئی، اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا حضرت عباسؓ جنہیں آپ باپ کے درجے میں رکھتے تھے ان کا قیام مکہ میں تھا۔ آپ ﷺ نے خاص اسی تقریب کے لئے ان کو مدینہ آنے کی زحمت سے آزاد رکھا۔ اس کے علاوہ یہ شادی جس سادگی اور بے تکلفی سے ہوئی وہ خود اپنی مثال آپ ہے۔ شادی میں عورت کے لئے مہر کا حق آخری شریعت کے امتیازات سے ہے۔ جس کے سلسلے میں کتاب اللہ کی صراحت ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مقدار "قطار" میں ہوسکتی ہے۔ اس کے باوجود حکیم امت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

> سنو! عورتوں کی مہر کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس لئے کہ یہ اگر دنیا کے لحاظ سے عزت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی علامت ہوتی تو اس کا سب میں بڑھ کر اہتمام کرنے والے نبی ﷺ ہوتے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ
نہیں رکھا۔ نہ ان کی بیٹیوں میں سے کسی کا اس سے زیادہ رکھا گیا۔

جب مہر جیسی مشروع اور منصوص چیز کے سلسلے میں شریعت کے مستند ترین شارح کا یہ رجحان ہے تو منگنی جیسی عرف پر مبنی دو دھاری رسموں کے بارے میں اس کی احتیاط اور حساسیت کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ شادی کی دوسری اکثر رسموں کی طرح اس رسم کی تیسری خرابی یا کمزوری اسراف اور فضول خرچی اور بیجا نمود و نمائش ہے۔ عام طور پر ان رسموں کے ساتھ یہ برائیاں اس طرح چپکی ہوتی ہیں کہ انہیں چھڑانا اور انہیں ان سے الگ کرنا ناممکن نہیں تو حد درجہ اور غیر معمولی طور پر دشوار ضرور ہے۔ اسلام میں فضول خرچی اور نمود و نمائش کی برائی معلوم ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے۔ ان رسموں میں پڑ کر ان برائیوں سے خود کو بچا پانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی کائی پر چلے اور پھسلنے سے محفوظ رہے۔ یہ صحیح ہے کہ عملی زندگی میں اسراف اور فضول خرچی اور نمود و نمائش کی تعیین کے لئے کوئی لگا بندھا ضابطہ مقرر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پچاس لاکھ کے مکان میں رہے۔ پچیس لاکھ کی گاڑی میں چلے اور دس لاکھ کی گھڑی پہنے، اس کی اتنی جائز آمدن ہو اور اپنی دولت میں خدا اور بندے ہر ایک کا حق وہ پورے اہتمام سے ادا کر رہا ہو تو اس کے اس طرز معاشرت پر شریعت کا اصولی طور پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن اسی کا مظاہرہ اگر ذاتی زندگی سے ہٹ کر فرد کے ان معاملات میں بھی ہونے لگے جو اجتماعیات کے دائرے میں آتے ہوں اور ان سے معاشرے اور سوسائٹی کا متاثر ہونا یقینی ہو تو یہی شریعت اس کا نوٹس ضرور لے گی اور کسی نہ کسی نوعیت کی ان پر بندش اور قدغن ضرور لگائے گی۔ عام حالات میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی لمبی لمبی گاڑیاں رکھے۔ لیکن اگر سڑکیں پتلی ہوں اور حکومت کے وسائل فوری طور پر انہیں کشادہ اور دورویہ کرنے کے متحمل نہ ہوں اور پتلی اور یک رویہ سڑکوں کی صورت میں لمبی گاڑیوں سے کثرت سے اکسیڈنٹ اور لوگوں کی جانیں جارہی ہوں تو بلاشبہ بیدار اور ذمے دار حکومت وقتی طور پر ایسی گاڑیوں کے استعمال پر پابندی عائد کرے گی۔ تاآنکہ مناسب

سڑکوں کی تیاری سے حادثے کے امکانات کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلام کے کسی سچے پیروکار کو خود اس طرح کی صورت حال میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کہ اس کے کسی طرز عمل سے کسی کا دل نہ ٹوٹے یا کسی غریب کی دل آزاری نہ ہو۔ جواز کی سند کے ساتھ بھی اس طرح کی برائی سے بچنے کی خاطر بہت سے کاموں اور بہت سے معاملات سے اسے اپنے کو دور اور اپنے ہاتھ کو کھینچ لینا چاہئے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے فرد کو اس کی توفیق نہ ہو رہی ہو تو ذمے دار اسلامی معاشرہ کی ذمے داری ہے کہ وہ حالات پر نظر رکھے اور رخصتوں اور رعایتوں کے استعمال کو ایک خاص حد سے آگے نہ جانے دے جس سے کہ وہ مصالح کے بجائے مفاسد کا پیش خیمہ نہ بننے پائیں اور ان کا وجود بجائے رحمت کے انسانیت اور امت کے لئے زحمت کا باعث نہ ہو۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام اور حاصل کلام کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شریعت میں رسم منگنی یا سگائی کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن اسی صورت میں جب کہ ان آداب کا لحاظ کیا جائے جن کی تفصیل اوپر گزری۔ ان نزاکتوں کا لحاظ نہ رہ سکے تو اس رسم سے بچنا اور اس سے اپنے کو دور رکھنے میں ہر مسلمان معاشرے کا دین دنیا کا فائدہ ہے۔ مسلمان اپنے ہر عمل کی طرح رسم منگنی کے معاملے میں بھی بالکل آزاد نہیں ہے۔ بلاشبہ اس کے کچھ فائدے بھی ہیں اور اس کے ذریعے شریعت میں بہت سی مصالح کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس کے لحاظ سے دین میں رہتے اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجاآوری کرتے اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے اندر فائدے کے اوپر نقصان غالب آجائے اور مفاسد مصالح پر حاوی ہو جائیں تو شریعت کے مسلم اصول سے جہاں حلال کے مقابلے میں حرام یقینی اور مصالح کی جگہ مفاسد کا خطرہ غالب ہو تو خطرے کی ایسی جگہوں سے اپنے کو دور اور کنارہ رکھنا ہی تقاضائے دین وایمان اور شریعت کا مقتضا اور اس کا مطلوب و مقصود ہے۔